ڈاکٹر نسیم عباس احمر
لیکچرر، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

گارساں دتاسی کی 'تاریخ ادبیاتِ اردو': تحقیقی وتنقیدی تناظر

Abstract:

Garseen Detassi was the prominent French orientalist of nineteenth century. He was a good researcher, critic, historiographer and linguistic as well. His history "Tareekh Adabiyat e Urdu" is his valuable work which is the important evidence of eighteenth and nineteenth century Urdu literature. This is the first history in which he gave not only the introduction and piece of writings of poets and prose writers but also gave the detailed introduction of their publications. Linguistic and scriptural discussions, presentation of journalism history, hindustani culture with objective point of view, are the salient features of this history. It is also important due to its research and critical point of view. He consulted multiple scripts and pointed out their condition with compact introduction. He also made comparative study of writings. These are the qualities which made this book as the first prominent parameter of writing an authentic critical history. This article is the detailed study of its research and critical approach.

Keywords:

Garseen Detassi History Orienltalist Tareekh Adbiat Linguistic Hindustani

انیسویں صدی کے فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی (۱۷۹۴ء۔۱۸۷۸ء) محقق، نقاد، مترجم، مورخ اور ماہرِلسان کی حیثیت سے اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔تذکروں، خطبات، مقالات، تاریخ اور ترتیب متون کا وسیع ذخیرہ ان سے یادگار ہے۔ان کی تصانیف کی تعداد ۱۵۵ کے لگ بھگ ہے۔اردو میں ادبی تاریخ نویسی کے ابتدائی نمونوں کی

فراہمی کا سہرا بھی ان کے سر ہے۔انھوں نے تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی کی پہلی جلد ۱۸۳۹ء میں شائع کی۔ بعدازاں اس کی دوسری جلد ۱۸۴۶ء میں منظرِ عام پر آئی۔اس تاریخ کی دوسری نظرِ ثانی اور اضافہ شدہ اشاعت ۱۸۷۰ء میں ہوئی۔اس کی دو جلدیں ۱۸۷۰ء اور تیسری جلد ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔۱۹۶۰ء میں لیلیان سیکستین نازرو نے اس تاریخ کا اردو ترجمہ کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس مترجمہ تاریخ میں صرف ہندوستانی (اردو) مصنفین کا تعارف شامل ہے۔مذکورہ اردو ترجمے کی اشاعت بہ عنوان تاریخ ادبیات اردو ڈاکٹر معین الدین عقیل کی ترتیب وتدوین سے ۲۰۱۵ء میں عمل میں آئی۔گارساں دتاسی کی' تاریخ ادبیات اردو' کا زیادہ تر محققین اور ناقدین نے اردو تذکرے کی ذیل میں تجزیہ کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ شعرا اور ادبا کا تعارف بہ لحاظ حروف تہجی کیا گیا ہے۔اردو تذکروں کی ترتیب میں یہی رجحان غالب رہا ہے۔اس روایت کی پیروی ضرور کی گئی ہے مگر ادبا کا تعارف، تذکروں کے تاثراتی انداز سے بڑھ کر تحقیقی اور تنقیدی اندازِ نظر کا حامل ہے۔مولوی عبدالحق نے اس تصنیف کے تذکرہ یا تاریخ ہونے کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے اس کی تحقیقی اور تنقیدی اہمیت کو کچھ یوں واضح کیا ہے:

> ''اس کتاب کی ترتیب قدیم تذکروں کی طرز پر ہے۔یعنی یہ ترتیب حروف ابجد اردو اور ہندی مصنفین اور شعرا کا ذکر ہے۔لیکن فرق یہ ہے کہ اس میں زیادہ تحقیق اور تنقید سے کام لیا گیا ہے۔اور مصنف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ یہاں تک ممکن ہو قدیم تذکروں اور کتابوں سے ہر مصنف کے متعلق معلومات جمع کی جائیں۔اس کے علاوہ ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے، وہ یہ ہے کہ اس نے ہر مصنف یا شاعر کے کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کیے ہیں۔جن سے اس کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔''(۱)

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اسے تاریخ قرار دیا ہے اور اس کی بنیاد کچھ یوں پیش کرتے ہیں:

> ''دتاسی کی کتاب کی سب سے زیادہ مفید خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک سائنٹیفک تاریخ ادبیات اردو ہے۔ہمارے تذکرہ نویس شاعروں کے اصل حالات زندگی اور خصوصاً ان کی تاریخ پیدائش ووفات یا کتابوں کے سنین تصنیف کے اظہار میں ہمیشہ غافل رہے۔دتاسی کو بھی اس کی بڑی سخت شکایت ہے۔اس نے ضروری حالات اور معتبر تواریخ معلوم کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے اور ان تاریخوں وغیرہ کے لحاظ سے تو دتاسی کا یہ کام بے حد قابل قدر ہے۔''(۲)

گارساں کی تاریخ ادبیات اردو میں تحقیقی طریقہ کار کا جائزہ لیا جائے تو اس میں قلمی نسخے، نسخوں کی تفصیل، اشاعتوں کا ذکر، قرأت کی دشواریوں کی قیاسی تصحیح، داخلی وخارجی شہادتوں، غلطیوں کی اصلاح، نئی معلومات، نئی تحقیق، نسخوں کا تقابل، ذیلی معلومات، کتب کے ماخذات وغیرہ ایسے اسالیب تحقیق سامنے آتے ہیں جو اس کی تحقیقی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔متعدد مقامات پر قلمی نسخوں اور ان کے مملوکہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔مثلاً ملا یا جلال بلخی قصہ امیر حمزہ کا قلمی نسخہ Roomer کے پاس، میر اسماعیل ابجدی کی خیر البیان کا قلمی نسخہ گارساں کے پاس اور نصیر الدین علی حیدر کے قصائد علی حیدر کا خوب صورت قلمی نسخہ فرح بخش لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے۔۔کمال خاں رستمی کی مثنوی

خاور نامه کا نایاب نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے جو بالتصویر، رسم الخط نسخ اور بڑی تقطیع میں ہے۔ برٹش میوزیم میں بھی اس مثنوی کی ایک حسین جلد موجود ہے جو ۱۶۸۶ء میں ملتان میں تحریر کی گئی۔ گارساں اکثر جگہوں پر نسخے کا مکمل تعارف کرواتے ہیں۔ مرزا مردان علی رعنا کی مثنوی ضبطِ عشق کے مطبوعہ نسخے کا تعارف دیکھیے:

''اُنھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو چھوٹی تقطیع پر ۶۶ صفحات میں ہے اور اس کے ہر صفحے پر ۲۱ سطریں ہیں۔ یہ مثنوی لکھنؤ سے ۱۲۸۱ھ/ ۵۔۱۸۶۴ء میں ضبطِ عشق کے نام سے شائع ہوئی ہے۔'' (۳)

ایک تصنیف کے ایک سے زائد نسخوں کا حوالہ بھی دیتے ہیں مثلاً حیدر علی آتش کے دو دیوان کا بیان کرتے ہیں۔ پہلا دیوان چھوٹی تقطیع کے ۲۵ صفحات، مطبوعہ ۱۸۴۵ء، دوسرا دیوان چھوٹی تقطیع کے ۵۶ صفحات مطبوعہ ۱۸۴۷ء، بالترتیب لکھنؤ اور کانپور کے شائع شدہ ہیں۔ ابنِ نشاطی کی مثنوی پھول بن کا انڈیا آفس کا قلمی نسخہ بالتصویر مطبوعہ ۱۶۵۵ء کے اوراق غائب اور خستہ حالت میں ہیں۔ اسی کتب خانے کا ایک اور نسخہ چھوٹی تقطیع کے ۱۳۰ صفحات پر مبنی ہے۔ اُنھوں نے نسخوں کا تقابل بھی کیا ہے۔ شیخ تحسین الدین کے قصه کام روپ کلا کے نسخوں کا تقابل دیکھیے:

''جب میں نے ''قصہ کام روپ کلا'' کو شائع کر دیا تو مجھے ایک اور قلمی نسخہ اکیڈمک سوسائٹی ایکس کے ایک ممبر Mr. Montmeyan سے ملا۔ یہ بہت اچھا نسخہ ہے اور اس کی اصل عبارت اس نسخے کے مطابق ہے جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے۔ پہلے نسخے میں بعض باتیں واضح نہ تھیں وہ اس میں واضح ہیں۔ یہ آخری نسخہ ان باقی چار قلمی نسخوں سے بہتر ہے جن سے میں نے اپنا ترجمہ مکمل کیا تھا۔ مثال کے طور پر ''رس رنگ'' موسیقار کے متعلق پہلے نسخوں میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی لیکن آخری میں یہ خرابی نہیں ہے۔'' (۴)

اُنھوں نے مختلف اشاعتوں کی تفصیل بھی دی ہے مثلاً مولوی اکرام علی کی اخوان الصفا کی پانچ اشاعتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ہگلی سے ۱۸۴۶ء، دوسرا دہلی سے ۱۸۵۱ء، تیسرا لاہور سے ۱۸۶۶ء اور چوتھا لندن سے ۱۸۶۱ء اور پانچواں کلکتہ سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا۔ میاں محمد ابراہیم کی چمن بے نظیر کے تین ایڈیشنز کا ذکر کیا ہے۔ پہلا ۱۸۴۸ء، دوسرا ۱۸۴۹ء بمبئی سے اور تیسرا ۱۸۴۱ء مجمع الاشعار کے نام سے شائع ہوا۔ فسانہ عجائب کے ایڈیشنز کا تعارف دیکھیے:

''اس کے کئی ایڈیشن ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ دہلی سے ایک ایڈیشن ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں، دوسرا چھوٹی تقطیع کے ۲۸۰ صفحات میں ۱۸۵۵ء میں چھپا۔ لکھنؤ سے ایک ایڈیشن ۱۸۴۵ء میں اور دوسرا ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۸۷ صفحات میں شائع ہوا۔ اس کے دو ایڈیشن کلکتہ سے بھی ۱۸۴۶ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۲۲ صفحات میں شائع ہوئے۔ ایک اور ایڈیشن ۳۰۱ صفحوں میں مسٹر ڈبلیونا لولینو کا تصحیح شدہ ۱۸۶۸ء میں چھپا ہے۔ ایک ایڈیشن محمود نگر لکھنؤ سے چھوٹی تقطیع کے ۱۹۸ صفحات پر ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا اور اس کے ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ ایک اور ایڈیشن لکھنؤ سے بڑی تقطیع کے ۱۷۸ صفحات میں ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں چھپا۔۔۔ ہر صفحے پر

۲۳سطور ہیں۔''(۵)

اُنھوں نے بیاضوں کی مدد سے بھی اپنے تحقیقی انداز کو معتبر بنایا ہے۔ نواب آصف الدولہ کی ایک بیاض (مملوکہ کتب خانہ ایسٹ انڈیا آفس) کا تعارف دیا ہے، جس میں اُردو اور فارسی غزلوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے اور یہ قلمی مسودہ جنرل لارڈ ہیسٹنگز کی ملکیت بھی رہا۔ اُن کے دیوان کے نسخے کا فورٹ ولیم کالج میں موجودگی کا بھی اظہار کیا ہے اور اُن کی وجہ شہرت محرم سے متعلق کلام کو قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ جعفر زٹلی کی بیاض کا ذکر بھی ملتا ہے جو محمد بخش کے کتب خانے میں موجود تھی۔

گارساں نے اپنی تاریخ میں تحقیق سے کام لیتے ہوئے، داخلی استشہاد کا طریقہ بھی اختیار کیا ہے مثلاً میر امن کسی شاعر کے شاگرد نہ تھے اور اس کے لیے دلیل گنج خوبی کے دیباچے سے لاتے ہیں، امیر خسرو کی ایک غزل

ع زحالِ مسکیں مکن تغافل دوراہ نیناں ملا کے بتیاں

کی مثال دے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غزل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے عورتیں بہت پسند کرتی ہوں گی۔ شیخ سعدی اپنے سفر کے دوران سومنات دیکھنے کی غرض سے گجرات گئے تھے۔ اس کے لیے بوستان میں اس کے ذکر سے استشہاد کیا ہے۔ سید میر غالب علی خان کے تخلص 'غریب' کو بدل کر 'سید' کرنے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ سلطان دہلی نے اُن کو سید الشعرا کا خطاب دیا تھا، اسی بنا پر اُنھوں نے تخلص تبدیل کر کے غریب سے سید کر لیا۔ شیخ تحسین الدین کے تخلص یا لقب کے ضمن میں داخلی شہادتوں کے ذریعے تحقیق کا انداز دیکھیے:

''تحسین مصنف کا لقب بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ 'کام روپ اور کلا' کا جو قلمی نسخہ مجھے حال ہی میں ملا ہے اس کے آخری شعر میں فضل علی کا نام آیا ہے۔ ممکن ہے فضل علی، ان کا تخلص ہو لیکن میرا خیال ہے کہ یہ نسخے کے کاتب کا نام بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ میرے پاس جو تین مختلف نسخے ہیں ان میں تین مختلف نام لکھے ہوئے ہیں۔''(۶)

داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے خارجی شہادتوں سے بھی مدد لی ہے مثلاً نواب ابراہیم علی ابراہیم کے اُردو زبان میں شعر کہنے کا اندازہ اس بات سے لگایا ہے کہ عام طور پر اُردو تذکرہ نویس شعر و سخن کا شوق رکھتے تھے۔ ملک محمد جائسی کے مسلمان ہونے کا اندازہ ان کے نام سے لگایا ہے کہ اُن کا پہلے نام جائسی داس تھا تو اُنھوں نے ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قیاسی تحقیق سے بھی کام لیا گیا ہے مثلاً سید امداد علی کے اخبار الاخبار کی ادارت کرنے کا قیاس، اُن کے بہار سائنٹفک سوسائٹی کے معتمد ہونے سے لگایا ہے۔ نواب امیر محمد یار خان کے ضمن میں سراج الدولہ کے کتب خانے کی فہرست میں کتاب دیوانِ امیر حق دھلوی کو انھیں امیر کی کتاب گردانا ہے اور مزید قیاس کیا ہے کہ ہوسکتا ہے اُنھوں نے 'حق' تخلص بھی استعمال کیا ہو۔ منشی چرنجی لال کے قصہ سراجپور یا سراج کی کھانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے شاید یہ وہی کتاب ہو جو اُن کے نام سے S.Long کے Descriptive Catalogue میں شامل ہے جو میرٹھ سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔

اُنھوں نے اُنیسویں صدی کے نصف اوّل میں مدونہ دیوان کے لیے جو طریق کار رائج تھا، اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً میر علی اوسط رشک کے دو دیوان یکجا صورت میں ۱۸۴۶ء میں اشاعت ہوئے۔ یہ چھوٹی تقطیع میں ہے اور فرق یہ ہے کہ دوسرا دیوان حاشیے میں درج کیا گیا ہے اور اس طریقے کو اُنھوں نے ہندوستان کا عام طریقہ کار قرار دیا ہے۔ اخذ واستفادے کے بیان کے لیے تحقیقی انداز اپناتے ہیں مثلاً میر محمد خاں اعظم الدولہ سرور کے تذکرہ عمدہ منتخبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قدرت اللہ قاسم کے تذکرے کے بعد اور شیفتہ کے تذکرے سے پہلے لکھا گیا۔ اس تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچے کہ شیفتہ نے اس تذکرے سے مدد لی ہے اور سرور نے قاسم کے تذکرے سے مدد لی تھی۔ عبداللہ کے قرآن مجید کے اُردو ترجمے کا تحقیقی تجزیہ دیکھیے:

''اُنھوں نے اس ترجمے کی طباعت ہی نہیں کرائی بلکہ اس میں عربی عبارات بھی شامل کر دیں اور مقابل میں سطر بہ سطر اس کا اُردو ترجمہ بھی لکھ دیا۔۔۔اس انداز میں خاص طور پر دکن میں قرآن کے کچھ اور ترجمے ہوتے ہیں جن میں عربی کے نیچے ہندوستانی لکھی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا ایک فارسی ترجمہ اُردو اور فارسی میں میرٹھ سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا۔ یہ ۶۹۳ صفحے کی جلد ہے اور ہر صفحے میں دس سطریں ہیں۔ یہ عربی عبارات کے ساتھ اور بڑی احتیاط سے شائع کی گئی ہے۔ ساتھ ہی وہ رموز اور اوقاف بھی دیے گئے ہیں جو قرآن کے لیے مخصوص ہیں۔ ان رموز اوقاف کی تشریح ایس دی ساسی نے اپنے عربی قواعد میں کی ہے۔ اس میں سطر بہ سطر ترجمے کے ساتھ ہندوستان میں عالمانہ نوٹ بھی دیئے گئے ہیں۔ ہر باب میں عنوان کے ساتھ الفاظ اور حروف کی تعداد کی طرف اشارے بھی کر دیئے گئے ہیں۔ تحقیقی مطالعہ کی آسانی کے لیے ان عنوانات کی تکرار ہر صفحے پر کی گئی ہے۔ قرآن کے ہر پارہ میں جزو، نصف وربع کی تقسیم بھی کر دی گئی ہے۔ اس تقسیم کا لحاظ رکھ کر کلکتہ سے شائع ہونے والے قرآن کا عنوان 'نجم الفرقان' رکھا گیا۔ اس قسم کی تقسیم میں ع کی علامت ہندسہ کے ساتھ استعمال کی گئی جو کہ عربی لفظ رکوع کا آخری حرف ہے۔ غرض کہ اس میں وہ چیزیں ہیں جو کسی قدیم نسخے میں نہیں مل سکتیں مثلاً اس میں آیتوں کی ترتیب اس خاص کالم میں حاشیے پر شائع کی گئی ہے۔ نوٹ کے لیے ف کے حرف سے مدد لی گئی ہے اور جہاں پر کئی نوٹ ہیں وہاں مصنف نے ف پر نمبر ڈال دیے ہیں تا کہ ضرورت کے مطابق آسانی سے انھیں تلاش کر لیا جائے۔ اڈیشن کے آخر میں ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے جس میں خالص ہندوستانی، ٹھیٹ ہندی اور کھڑی بولی کے محاورے دیے گئے ہیں جو عام آدمیوں کی زبان ہے۔''(۷)

گارساں نے نسخوں کی قرآت کی دشواریوں اور مشکلات کو بھی بیان کیا ہے مثلاً میر سعادت علی نے ایک مثنوی سیلی سنجیون لکھی لیکن تذکرہ گلزارِ ابراھیم کے قلمی نسخے میں اس کتاب کے نام اچھی طرح نہ پڑھے جانے کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے محققین اور تذکرہ نویسوں کی اغلاط کی نشاندہی بھی کی ہے مثلاً ڈاکٹر اسپرنگر نے نواب احمد یار خاں افسر

اور شیخ احمد علی دہلوی کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے۔ گارساں کے نزدیک یہاں اسپرنگر سے سہو ہوا ہے۔ اسی طرح اسپرنگر نے حکیم قطب الدین باطن کے گلشن بے خزاں کو گلشن بے خار کا ترجمہ کہا ہے۔ گارساں کے نزدیک یہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ گلشن بے خار کا جواب ہے۔ چوں کہ جن شاعروں پر شیفتہ تنقید کرتے ہیں باطن اُن کی تعریف کرتے ہیں۔ گارساں نے نہ صرف غلطی کی نشان دہی کی بلکہ داخلی شہادت سے اس کی درستی بھی کی۔ اسی طرح عشقی نے اپنے تذکرے میں میر محمد علی بیدار کو تین مختلف شاعروں (۱) میر محمد علی (۲) میر محمدی (۳) میاں محمدی کی ذیل میں نقل کیا ہے۔ گارساں کے نزدیک یہ ایک ہی شخصیت ہیں۔ اسی طرح میر محمد حسین تجلی اور میاں حاجی تجلی الگ الگ ادیب ہیں جب اکثر تذکرہ نگاروں کو ایک جیسے نام کی وجہ سے مغالطہ ہوا ہے۔ مصحفی، اسپرنگر اور دیگر تذکرہ نویس نے مرزا محمد یار بیگ مائل اور مرزا احمد یار بیگ سائل کو الگ الگ مصنف گردانا ہے جب کہ گارساں کے نزدیک یہ ایک ہی مصنف ہے اور نقل نویس کی غلطی سے مائل کو سائل لکھا گیا ہے۔ عزیز شیو ناتھ ایک ہی شخص ہے جسے اسپرنگر نے الگ الگ درج کیا ہے اور شیو ناتھ کی جگہ شمبو ناتھ لکھا ہے۔ شیخ صالح کی سیر عشرت جمیع الحکایات کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا کمپنی کتب خانہ میں موجود ہے اور فہرست کتب میں اس کے مصنف کا نام تیغ صالح درج ہوا ہے۔

گارساں نے مختلف تذکروں کے اختلافات کو بھی بیان کیا ہے مثلاً میر تقی میر، خوب چند ذکا اور سرور نے اپنے تذکروں میں احمد گجراتی کا ذکر احمدی کے نام سے کیا ہے اور اسپرنگر اس سے اختلاف رکھتے ہیں وہ رائے احمد گجراتی قرار دیتے ہیں۔ ذوالفقار مضطر کی کتاب علم البلاغت کے دیباچہ میں گلدستہ نشاط کو گلزار ابراہیم مضطر کی تصنیف کہا گیا ہے جو غلط ہے، وہ منولال صفا کی کتاب ہے۔

گارساں نے یہاں دیگر تذکرہ نگاروں کی اغلاط کی نشان دہی اور درستی کی وہیں خود ان سے بھی بعض مقامات پر اغلاط سرزد ہوئی ہیں۔ اس حوالے سے مولوی عبدالحق، قاضی عبدالودود اور پروفیسر ثریا حسین نے ان اغلاط کو نشان زد بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ان اغلاط کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہ تاریخ نہ صرف یورپی زبانوں میں اس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی تصنیف تھی بلکہ خود اردو میں بھی اس طرح کا کوئی کام اس وقت تک نہیں کیا گیا تھا۔ یہ واقعی ایک عبرت ناک بات ہے کہ ایک غیر شخص پہلی بار ہماری زبان و ادب کی تاریخ لکھ کر ہمارے آگے پیش کرتا ہے۔۔ گو اس میں بعض جگہ غلطیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے ان غلطیوں کا پایا جانا ایک فطری بات تھی۔ جو کچھ مواد اردو تذکروں، مخطوطوں کی اندرونی شہادتوں اور ادیبوں اور مستشرقین کے بیانات سے حاصل ہو سکا اس کو دتاسی نے اس سلیقے اور خوبی سے ایک کارآمد کتاب کی شکل میں پیش کر دیا۔''(۸)

گارساں دتاسی اپنی غلطیوں کی اصلاح بھی کرتے ہیں مثلاً مرزا مہدی عاشق کے قصہ خاور شاہ کو ماقبل 'ماہ لقا' اور دکنی قصہ بتایا تھا، جس کی درستی یوں کی کہ یہ کتاب دکنی کی بجائے اُردو میں ہے اور اس کا دوسرا نام قصہ قمر طلعت ہے۔

وہ بین السطور، ذیلی معلومات بھی بہم پہنچاتے ہیں مثلاً شیخ علی حسین جویا کے تعارف میں بتایا ہے کہ وہ

عطا صاحبہ کے داماد تھے اور عطا صاحبہ نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ کی بیوی شہری قدسیہ محل کی اُستانی تھیں۔شاہ محمد یار خاکسار دہلی میں قدم شریف کی درگاہ کے محافظ تھے۔گارساں نے قدم شریف کی وضاحت کی ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں محمدؐ کے قدم شریف کا نقش رکھا ہوا ہے۔رستمی نے مثنوی خاور نامہ تصنیف کی جوشہزادی خدیجہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔گارساں نے شہزادی خدیجہ کا تعارف بھی دیا ہے۔یہ شہزادی ابراہیم قطب شاہ کی پوتی والیٔ گولکنڈہ محمد سلطان قطب شاہ کی بہن اور ابراہیم عادل کے بیٹے غازی عادل شاہ سلطان بیجاپور کی بیوی تھی۔

گارساں دتاسی نے اس تاریخ میں نئی دریافتوں اور نئے خیالات کو بھی پیش کیا ہے مثلاً حافظ غلام اشرف خاں اشرف موسیقی میں ماہر تھے اُنھوں نے سندر بین نام کا ایک باجا ایجاد کیا۔۔قطب الدین باطن کے ایک فارسی تذکرے کی دریافت کی ہے جو بیاض باطنی کے عنوان سے شائع ہوا۔میرامن کا خاندان دس افراد پر مشتمل تھا۔جان صاحب کو میرامن کی بیٹی قرار دیا ہے۔شیخ سعدی، امیر خسرو سے ملنے دہلی آتے تھے۔امام بخش صہبائی کی کتاب انتخاب الشعراء اُن کے تذکرے انتخاب دواوین کا نیا ایڈیشن ہی ہے۔دہلی کی مشہورترین مسجد پر بہادر شاہ ظفر نے قرآن کی بعض آیات اپنے ہاتھ سے لکھیں۔فضل علی فضل اہل تشیع تھے اور اُس کی کتاب دہ مجلس، روضتہ الشھدا کا اُردو میں سب سے پہلا ترجمہ ہے۔پدماوت کے حوالے سے کچھ اہم باتیں دیکھیے:

> ''پادری کڑو نے 'تاریخ مغلیہ' کے نام سے ایک ناول لکھا ہے جس میں اُنھوں نے اکبر کے فتح چتوڑ ۱۵۶۹ء کو علاءالدین کے چتوڑ کے واقعے سے غلط ملط کر دیا ہے اور پدماوت کی کہانی کو اس کتاب میں بیان کرتے ہیں۔کڑو پدماوت کو پدمنی کہتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ میجر ڈیوڈ برگس نے اکبرنامے کا ترجمہ کیا ہے اس میں کہیں بھی اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں۔''**(۹)**

گارساں اپنے خیالات کا بیان بھی اکثر مقامات پر کرتے ہیں مثلاً پنڈت اجودھیا پرشاد کی تمام تخلیقات کے بیان کے بعد مزید تصدیق کرتے ہیں کہ یہ وہی مصنف ہیں جو موہن لال کے ساتھ مل کر اخبار خیر خواہ خلائق اجمیر سے نکالتے تھے۔ابوالفضل کی عیار دانش بیدپائے فلسفی کے مجموعہ کراتك دماتك سے ماخوذ ہے جو گارساں کے خیال میں ہندی میں نہیں بلکہ سنسکرت میں تھی۔ان کے نزدیک مصحفی چوں کہ پیچیدہ تشبیہوں اور استعارات کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے مصحفی نے اپنے تذکرے میں حاجی اکبر شاہ کے صرف تین ہی شعر نقل کیے۔وہ داستانوں کے ایک سے زائد تراجم کا حوالہ بھی دیتے ہیں مثلاً سید احمد علی سراواہی کی منظوم کہانی گل و صنوبر کے دیگر تراجم بھی بتاتے ہیں۔اُن کے خیال میں یہ کہانی دکنی زبان میں لکھی گئی۔ایک اور قصہ گلشن ھند کے نام سے ہے۔اس کہانی کے اُردو اور بنگالی میں بھی تراجم ہوئے۔کلکتہ سے تصحیح کے بعد اس کا بنگالی اور اُردو میں دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۵ء میں بھی شائع ہوا۔

وہ جہاں نگارشات کی تفصیل پیش کرتے ہیں وہیں کتابوں کی نوعیت اور موضوع بھی واضح کرتے ہیں مثلاً سید تفضّل حسین شاہ جونپوری کی کتاب معالجات شافیہ راجپوتوں کے رسم بچہ کشی کے خلاف لکھی گئی۔مولوی نصیرالدین شائق کی کتاب مصدر فیوض بریلی کے باشندوں کو فارسی زبان سکھانے کے لیے تالیف کی گئی۔کتاب کے موضوعاتی تعارف کی مثال دیکھیے:

''گلدستہ نشاط: یہ علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے جس میں مختلف اشعار کا انتخاب کر کے شاعری کے فنی پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اشعار کے حوالے ہندوستان کے ان ممتاز شعرا کے یہاں سے دیے گئے ہیں جنھوں نے فارسی یا ہندوستانی میں کہے ہیں۔ اس رسالے میں ہندوستانی شعرا کا ذکر بہت کم آتا ہے، پھر بھی وہ بڑا دلچسپ ہے۔''(۱۰)

کتابوں کے تعارف کے ساتھ ساتھ رسائل کی نوعیت بھی بیان کرتے ہیں مثلاً مولوی نصیر الدین شائق نے ایک رسالہ یك بیــت کے عنوان سے لکھا یہ ایک منظوم رسالہ ہے۔ پہلا مصرع عروض اور دوسرے مصرعے میں بحر کے اُصول بیان کیے گئے ہیں۔ اخبارات کی نوعیت اور طریقہ کار کا تعارف بھی کرواتے ہیں۔ مثلاً منشی چمن لال میرٹھ سے جـامِ جهاں نما نکالتے تھے۔ جامِ جہاں نما کی وضاحت یہ کی ہے کہ اس کا اشارہ جمشید کے جام کی طرف ہے جس میں دنیا کے تمام واقعات کا نقش نظر آتا تھا۔ اس اخبار میں گورنمنٹ گزٹ سے اقتباسات بھی درج ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ شمال مغربی کی صدر عدالت کے فیصلے اور روزمرہ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ ایک صفحے پر ضمیمہ ہوتا تھا جس میں فیضی کے مہابھارت کا فارسی ترجمہ شائع کیا جاتا تھا۔ صفدر علی مظهر السرور نکالتے تھے۔ یہ دو کالمی ہوتا تھا۔ ایک کالم اُردو اور دوسرا ہندی عبارت میں ہوتا تھا۔ ایک جگہ خط کا حوالہ دے کر اپنی تحقیق کو مسکت بنایا ہے۔ شاہ کمال الدین کمال کے ۱۸۴۳ء میں زندہ ہونے کی شہادت نوبولڈ کے خط بنام گارساں مرقومہ ۱۸۴۳ء سے دی ہے کہ اس خط میں نوبولڈ نے لکھا تھا کہ ۱۸۴۳ء میں کمال زندہ تھے اور صوبہ مدراس میں کرنول میں رہتے تھے اور جہاں وہ ۳۸ سال سے مقیم تھے اور ۱۸۴۳ء میں نوبولڈ نے جب ان سے ملاقات کی تو اس وقت وہ ۷۰ سال کے بوڑھے تھے۔ کسی کتاب کے جواب میں لکھی کتابوں کا بھی حوالہ دیا ہے مثلاً انشاالله خاں انشا نے ایک مثنوی شیـر و برنج فارسی میں لکھی جو کہ مولانا بہاالدین املی کی کتاب نـان و حلوا کے جواب میں لکھی گئی۔

اس کتاب کی اردو کی ادبی تاریخ و تحقیق میں اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''اگر یہ تذکرہ موجود نہ ہوتا تو اردو زبان وادب کی تاریخ کا بہت سا قیمتی مواد اور بہت سے اہم مآخذ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے۔ حق بات یہ ہے کہ اس تذکرے نے اردو میں ادبی تاریخوں تحقیق کے کام کو آگے بڑھانے اور پاک و ہند سے باہر اردو کو روشناس کرانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔''(۱۱)

گارساں کی تاریخ کے ماخذات کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں تذکرے، کتب، اخبارات و رسائل، فہارس، انتخابات اور رپورٹس شامل ہیں۔ اس تاریخ کی ترتیب میں سب سے زیادہ استفادہ تذکروں سے کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے جن تذکروں سے مدد لی ہے اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ تذکروں میں نکات الشعرا از میر تقی میر، تذکرہ ریختہ گویاں از فتح علی حسینی، مخزن نکات از قیام الدین قائم، تذکرہ شورش از غلام حیدر شورش، گلزار ابراهیم از علی ابراہیم، تذکرہ هندی گویاں از مصحفی، عیارا شعرا از خوب چند ذکا، تذکرہ عشقی از شیخ وجیہ الدین عشقی، گلشن هند از مرزا علی لطف، عـمـدہ منتخبه از محمد خاں سرور، تـذکرہ حیدری یا گـلشن هند از حیدر بخش حیدری،

مجمع الانتخاب از شاہ محمد کمال، مجموعہ نغز از قدرت اللہ قاسم، تذکرہ آزردہ از صدرالدین خاں آزردہ، دیوانِ جہاں از بنی نرائن جہاں، گلشن بے خار از مصطفیٰ خاں شیفتہ، گلدستہ نازنیناں از کریم الدین، گلستان بے خزاں از قطب الدین باطن، یادگار شعرا از ڈاکٹر اسپرنگر، سراپا سخن از سید محسن علی محسن اہم ہیں۔ دیباچے میں اُنھوں نے مصطفیٰ شیفتہ کے تذکرے گلشن بے خار سے سب سے زیادہ استفادے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ آزر کے فارسی تذکرے آتش کدہ کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ جن کتب سے استفادہ کیا ہے اُن میں آثار الصنادید از سر سید احمد خاں، آرائش محفل از شیر علی افسوس، گلدستہ نشاط از منولال شامل ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کا تعارف شیر علی افسوس کی آرائش محفل سے مستعار لیا ہے۔ گل کرسٹ کی ہندوستانی قواعد سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جن اخبارات کو ماخذ بنایا ہے اُن میں اخبار عالم میرٹھ، اخبار سرشتہ تعلیم، اودھ اخبار، کلکتہ ریویو، صبح صادق، دھلی اُردو اخبار، پنجابی اخبار، انڈین میل شامل ہیں مثلاً شاہ اہل اللہ کی کتاب رسالہ چھار باب پر تبصرہ مارچ ۱۸۶۶ء اخبار عالم میرٹھ میں ہے۔ منشی مکند بے جر کی غزل ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۵ء اودھ اخبار میں چھپی۔ شمس النساء بیگم شرم کی غزل ۲۵ر دسمبر ۱۸۶۸ء پنجابی اخبار میں شائع ہوئی جس کے اشعار گارساں نے تاریخ میں بھی دیئے ہیں۔ طویل اخباری بیان کو بھی تاریخ کا حصہ بنایا ہے۔ غالب کے انتقال کے بعد ۱۶ر مارچ ۱۸۶۹ء کے اودھ اخبار میں غالب پر ایک مضمون سے اقتباس لیا گیا ہے۔

جن رسائل سے مدد لی ہے اُن میں کلکتہ میگزین، اورینٹل میگزین، ایشاٹک جرنل، ممبئی گزٹ اور ایسٹ انڈیا گزٹ شامل ہیں۔ اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے اشتہار سے بھی تحقیق و تنقید میں مدد لی گئی ہے۔ اُن میں بندہ مل لالہ کی کتاب قصہ ممتاز کا اشتہار ۲ر جولائی ۱۸۶۹ء میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ، منشی ٹیک چند بہار کی لغت بہارِ عجم کے پہلے ایڈیشن کا اشتہار قرآن السعدین اور دوسرے ایڈیشن کا اشتہار اخبار عالم میرٹھ ۵ر دسمبر ۱۸۵۷ء پنڈت دیبی پرشاد کی مجموعہ تعزیراتِ ہند کا اشتہار ۲ر اپریل ۱۸۶۹ء کے سائنٹفک اخبار علی گڑھ، اور مولوی میر وارث علی سیف کی تقریر الشھادتین کا اشتہار اخبار صبح صادق کی اپریل ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔

گارساں نے فہارس کو بھی ماخذ بنایا ہے۔ فہارس میں *Catalogue of Native Publications of the General Catalogue*، *Descriptive Catalogue by Rev. J. Long*، *Bombay Presidency Catalogue of Bangali Work by Long*، *Bibliotheca Orientalis by Zenker* فہرست کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ از پرنسپ نول کشور لکھنؤ کی فہرست کتب، فرزادہ قلی کی فہرست کتب مرتب ڈنکن فاربس اور شخصیات کی تیار کردہ فہرستوں میں Johnson، J. Dowson، Madden اور Loydon کا ذکر ملتا ہے۔

اُنھوں نے جو کتاب جس کتب خانے (شخصیات، ادارے اور مطابع) میں موجود ہے، اُس کی تفصیل درج کی ہے۔ اس تاریخ میں جن کتب خانوں کا ذکر ملتا ہے اُن میں کتب خانہ میکنزی، پیرس کا قومی کتب خانہ، موتی محل کتب خانہ لکھنؤ، ایسٹ انڈیا آفس کتب خانہ، ایشاٹک سوسائٹی پیرس کتب خانہ، امپیریل لائبریری، برٹش میوزیم، فرزادہ قلی کتب خانہ، توپ خانہ کتب خانہ لکھنؤ، نظام حیدر آباد کتب خانہ، سراج الدولہ کتب خانہ، شاہی محل کتب خانہ دہلی، Oxford

Bodlevic کتب خانہ، H.M. Wilson کتب خانہ، ڈنکن فاربس کتب خانہ، لالہ چند دلال حیدر آباد کتب خانہ، نواب وزیر محمد بخش کتب خانہ، سرگوراوراوسلی کا کتب خانہ، فرح بخش کتب خانہ لکھنؤ، وزیر نظام کتب خانہ، چندولال شاداں کا کتب خانہ، نواب آصف الدولہ کتب خانہ، انسٹی ٹیوٹ آف فرانس کتب خانہ، Sir G.C. Haughton کتب خانہ، Chambers کا کتب خانہ شامل ہے۔

اُنھوں نے شعری اور نثری انتخابات سے بھی مدد لی ہے۔ جن انتخابات کو ماخذ بنایا ہے اُن میں منتخبات ہندی و ہندوستانی از مرتب W. Price، منتخبات اُردو مرتب از میر افضل علی، انتخاب دیوان از انشااللہ خان، *Hindustanee Selections* از سید حسین، انتخاب کلیاتِ سودا، انتخابِ ہندوستان مرتب از گارساں دتاسی، *Hindustanee Selections* از مرتب جان شیکسپیئر، *Oriental Collections* مرتب از W. Ousley، *Supplementary Glossary* مرتب از ہنری ایلیٹ، غزلیات مرتب از بابو ہری چندر، *Stranger's East India Guide*، *Selections from the Records of Government* از سر ولیم میور ۱۸۵۵ء شامل ہیں۔

گارساں نے تاریخ کو رپورٹس سے حوالے دے کر معتبر تاریخ بنا دیا ہے جن رپورٹس سے استفادہ کیا گیا ہے اُن میں رپورٹ ۳۲ر ستمبر ۱۸۵۴ء از W. Treagear، *Report of the Vernacular Translation Society*، *Essays of the Students of Fort William College*، *Primitea Orientales*، *Report of the Public Instruction* شمال مغربی صوبہ کی مطبوعات کی رپورٹ از Mr. Kempson، ۱۹ر فروری ۱۸۶۹ء مجموعہ انتظام ممالک پنجاب ۶۲/۱۸۶۱ء کی رپورٹ شامل ہیں۔

گارساں نے اپنی تاریخ میں تحقیق کے ساتھ ساتھ تنقید سے بھی کام لیا ہے۔ اُن کے تنقیدی نکتہ ہائے نظر ادبا کے تعارف میں بھی نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ تاریخ کے دیباچے میں بھی اہم نکات اُٹھائے گئے ہیں۔ پروفیسر ثریا حسین اس تاریخ کے تنقیدی طریقہ کار کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ''اس نے بڑے خلوص سے کوشش کی کہ صحیح اور ضروری معلومات، مختلف مولفوں کی حیات، ذہنی ارتقا اور ان کی قوت تنقید کے بارے میں فراہم کرے۔ بر خلاف مروجہ تذکروں کے اس نے مصنفین کی خصوصیات، شخصی دلچسپیاں، پسندیدہ مشاغل اور اشیا متعلقہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس سے پڑھنے والے کو ہر لکھنے والے کے رجحانات اور انفرادی امتیازات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کا یورپین تنقیدی رویہ تھا جو ان ترجموں کو ہندوستانی تصانیف سے ممتاز کرتا ہے۔''(۱۲)

ادبا کے تعارف میں کتابوں کی خوبیوں، خامیوں، خصوصیات، فنی جائزے، تقابلی تنقید، لسانی تجزیے، سیاسی تلمیحات، تذکرہ نگاروں کی آرا، مستشرقین کی آرا، اصطلاحات کی وضاحت وغیرہ اہم نکات ہیں۔ وہ منشی لالہ رائے ٹیک چند بہار کی فارسی لغت بہارِ عجم کے ذکر کے ضمن میں فارسی زبان کے شعرا کے کلام کو دقیق اور مختلف نسخوں میں اختلاف کو خرابی قرار دیتے ہیں۔ فارسی شعرا کی قدیم شرحوں کی عدم موجودگی کا شکوہ کرتے ہیں کہ فارسی شاعرہ کی تشبیہات، الفاظ اور محاورے سمجھنے کے لیے شرحوں کی اشد ضرورت ہے۔ میر محمد سجاد اکبر آبادی کے کلام پر تبصرے میں لکھتے ہیں کہ سجاد کے اشعار

میں تشبیہات اور استعاروں کی کثرت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کا کلام آبرو سے بھی زیادہ مشکل فہم ہے۔ سجاد کے اشعار، جامع اور شگفتہ ہیں۔

گارساں کتابوں کی خوبیوں اور خامیوں کو بھی بیان کرتے ہیں مثلاً ان کے نزدیک محمد خان سرفراز دہلوی کی کتاب عجائب الفرائب بالتصویر ہے لیکن سائنٹفک اُصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے یہ کتاب کلاسیک کے درجے میں نہیں آتی۔ میر فیض علی سرور کے تذکرے عمدہ منتخبہ پر تبصرہ یوں کرتے ہیں کہ یہ حروفِ تہجی کے مطابق، شگفتہ اور اچھے طرزِ بیان میں ہے۔ سرور نے اپنا تذکرہ انکسار سے کیا ہے اور اپنے اشعار کو گلوں کے ساتھ خار بھی کہتے ہیں۔ مثنویوں کے موضوع کا تعارف بھی کرواتے ہیں مثلاً سید فضائل علی بے قید کی مثنوی جوان رقاصہ کے بارے میں ہے جس سے وہ محبت کرتے تھے۔ پھندن لال نے ایک مثنوی میں ہندو مذہب کے نقائص اور مسلمانوں کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ جعفر علی خان نے ایک مثنوی قلیان یعنی حقے کے موضوع پر لکھی ہے۔

داستانوں کے خلاصے بھی لکھے ہیں جن قصوں اور داستانوں کے خلاصے طویل انداز میں تحریر کیے ہیں اُن میں شیخ محمد امیر کا طویل قصہ ہفت سیار، خلیل خاں اشک کا قصہ امیر حمزہ شامل ہیں۔ پدماوت کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''پدماوت سلان کے راجہ کی بیٹی تھی اور چتوڑ کے راجہ رتن سین سے بیاہی گئی۔ جب علاؤالدین نے ۱۲۰۳ء میں چتوڑ پر فوج کشی کی تو اس موقع پر ۱۳۰۰ عورتوں نے جن میں خود پدماوت بھی شامل تھی ایک پہاڑ کے غار میں چھپ کر اپنے جسم میں آگ لگا کر خودکشی کر لی تاکہ 'مسلمانوں' کے قبضے میں نہ آسکیں۔'' (۱۳)

داستان کی مبادیات کے مطابق خصوصیات بھی سامنے لاتے ہیں مثلاً نسیم چند کے قصہ گل و صنوبر کو بہ اعتبار نفس مضمون سادہ، بے شمار مہمات اور عجیب و غریب واقعات نے اسے دلچسپ بنایا ہے۔ طرزِ تحریر تخیلی اور محاکاتی دلکشی کا حامل ہے۔ ان کے نزدیک کتاب کے پلاٹ کے نتائج اور دوسرے واقعات یہ شہادت دیتے ہیں کہ مسلمان روحانیت کے قائل ہیں۔ سحر البیان کے موضوعاتی تجزیے یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ ہندوستانی عوام کی زندگی سے متعلق دلچسپ معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ اس میں خواتین کے آرائش جمال کے طریقے، رقاصوں کے ناچ اور مسلمانوں کی شادی کی رسومات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

گارساں نے تصانیف کے فنی تجزیے بھی کیے ہیں مثلاً حافظ عبدالرحمٰن خان احسان کی شاعری میں صنعت تجنیس، اشتقاق، طباق، ابہام اور اضداد کے استعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ واجد علی شاہ نے اپنے دیوان میں نادر بحروں کے ناموں کا استعمال ملتا ہے۔ احسن اللہ بیان کے اشعار میں شگفتگی، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ پیر شاہ حسین حقیقت نے فارسی شاعر نظامی کے مصرعے پر تضمین کی مثال دی ہے۔ ان کے فنی جائزوں میں علم عروض سے واقفیت کا ثبوت بھی ملتا ہے مثلاً غلام مولا کے اشعار بحر فاعلاتن، فاعلن فعلن خفیف کے وزن میں ہیں۔ مولوی عبد الرحمٰن مشتاق بوستان کی طرز پر بوستانِ ہند بوستان کی بحر متقارب میں ہے۔

گارساں نے لسانی تجزیے بھی کیے ہیں مثلاً میاں محمد ابراہیم کی انوارِ سہیلی کا تجزیہ کیا ہے کہ اُنھوں نے اسے فارسی سے دکنی اُردو میں منتقل کیا ہے۔اس میں وہ الفاظ موجود ہیں جو شمالی ہند میں نہیں بولے جاتے۔دکن اور شمال ہند کے تذکیر و تانیث سے بھی اختلاف ہے جو الفاظ شمال میں مذکر ہیں وہ دکن میں مونث ہیں۔اس اختلاف کو دکن کی مثنویوں پھول بن،گلشن عشق،یوسف زلیخا میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

تقابلی تنقید کے بہت سے نادر نمونے اس تاریخ کی زینت بنے ہیں۔مثلاً خلیل خاں اشک کے قصہ امیر حمزہ کے انگریزی قصے سے تقابل کیا گیا ہے۔حمزہ،ڈان کوئی کزوٹ کی طرح مہمات واقعات پر قابو پاتا ہے،عمر نامی سائیس رکھتا ہے۔عمر،سانچو پائنزہ کی طرح مضحکہ خیز کردار ہے۔محمد الفت کے قطعہ مبارک باد کے تعارف کے ذکر میں عید قربان کو اسرائیلیوں کی تقریب Whitsuntide سے مشابہ قرار دیا ہے۔حمید الرحمٰن انیس کے خطوط کے مجموعے دستور الارتام کو چارس اسٹورٹ کی فارسی کتاب کی طرح تجارتی اور کاروباری خطوط کا مجموعہ قرار دیا ہے۔کاظم علی جوان کی کتاب بارہ ماسہ کا تقابل Ovide کے کلام سے کرتے ہیں۔سحر البیان میں شادی کی رسومات کے بیان کو Transactions of the Mackenzie اور بیگم میر حسن کی Observations on the Musalmans of India میں شادی کے بیانات سے ملتا جلتا قرار دیا ہے۔شاعر ربط کی مخمس میں آخری بند کا فارسی میں ہونا،فرانسیسی شاعری میں لاطینی زبان کے کلام کی موجودگی سے مماثل کہا ہے۔سلطان ثانی نے اپنی ایک نظم میں سینٹ جان کی نظم کی طرح یہ خیال باندھا ہے کہ جب تک بیج زمین میں دفن نہ ہو وہ ثمر آور درخت نہیں بن سکتا۔شاہ عبدالقادر کے قرآن کے ترجمے کی بابت عربی فقروں کی ساخت کو ہندوستانی سے مختلف قرار دیتے ہیں۔عربی کے لفظی ترجمے کو ضروری نہیں سمجھتے۔عزیز الدین خاں کا ناول جوھر عقل انگریزی تصنیف *Evil to Good* کے طرز پر لکھے جانے کی بات کی ہے۔اسی طرح غلام نبی نائب کی کتاب حصر الافادات یا خلاصہ احکامات فوجداری،مسٹر مورلے کی کتاب *Digest of Dia Cavos* کی طرز پر لکھی گئی۔شاہ کمال الدین کمال کی مثنوی برقی کو گرے کی نظم *Cat on the Death* کے مماثل قرار دیا ہے۔

گارساں شعرا پر تنقید میں غیر جانب داری کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔مثال دیکھیے:

> ''وہ (صدرالدین آزردہ) ایک بہت ہی مشہور اور ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔شیفتہ نے ان کی ضرورت سے زیادہ تعریف کی ہے۔اپنے تذکرے میں متعدد صفحات پر ان کی مدح سرائی میں فارسی اور عربی زبان ان کی تمام قوتوں کو صرف کر دیا ہے۔لیکن ان تمام حسین الفاظ کے گورکھ دھندے میں صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دہلی میں صدر الصدور یا صدر امین کے عہدے پر فائز تھے۔''(۱۴)

اپنی کم علمی کا اعتراف بھی کرتے ہیں مثلاً فتح اللہ برق واسوخت لکھتے تھے اور اُن کا ایک رسالہ بھی دارالسلام پریس دہلی سے شائع ہوا لیکن گارساں اس کتاب کے موضوع سے متعلق معلومات نہ رکھنے کا اعتراف کرتے ہیں۔انگریز محققین کی آرا کو صائب قرار دیتے ہیں مثلاً مولوی اکرام علی کے اخوان الصفا کے ترجمے کو James Michael کے خیال کے مطابق ہندوستانی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب گردانتے ہیں۔قصہ چہار درویش کئی مصنفین نے فارسی

میں تخلیق کیا۔گارساں ولیم جونز کی قصہ چھار درویش کی تعریف کوسند مانتے ہیں۔

گارساں ادبا،شعرااوران کی تخلیقات کے حوالے سے مختلف واقعات کے پس منظر کومفصل انداز میں پیش کرتے ہیں مثلاً بےنوا نے ایک مخمس لکھا جس میں ایک واقعہ پس منظر تھا،اس واقعہ کا ذکر میر کے نکات الشعرا میں ملتا ہے۔یہ سبھ کرن نامی ایک جوہری کے ہاتھوں ایک جوتے بیچنے والی عورت کے قتل کا واقعہ ہے۔ظفر خان روشن الدولہ نے عورت کے حق میں آواز بلند کی اور روساء کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہوگئی۔ظفر خاں کوشکست ہوئی اوراُنھوں نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔نواب آصف الدولہ کے کمال الدین کمال کے پاس موجود دواوین کی سات سوخوش نویسوں سے ایک دن میں نقلیں کروانے کے طریقہ کاراورانعامات دینے کے واقعہ کا بھی تفصیلی بیان درج کیا ہے۔انعام اللہ یقین نے باپ سے زبان درازی کی اور باپ نے مارکر دریا میں ڈال دیا،اس واقعہ کی تفصیل بھی لکھی ہے۔تذکرہ نگاروں کے تذکرے،تذکرہ نگار شخصیت کے حوالے سے بھی اہم ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔

گارساں کسی مصنف کی کتاب کا تعارف دیتے ہیں تو اُس موضوع پر دیگر مصنفین کی کتب کا حوالہ بھی دیتے ہیں مثلاً منشی بلدیو شیخ نے رسالہ ڈاک بجلی کا کاتعارف دیا تو اس موضوع پر J.D.Beale کی کتاب بجلی کی ڈاک کا مختصر بیان کا حوالہ دیتے ہیں۔رام چندر بابو دہلوی کی کتاب اُصول علم مثلثہ بالجبر کا تعارف دیتے ہوئے اس موضوع پر دیگر کتب کے مصنفین Cape اور Godwin کا ذکر بھی کیا ہے۔

گارساں نے مختلف اصطلاحات کا تعارف بھی کروایا ہے مثلاً لفظ ابجدی بمبئی کے گردونواح کے باشندوں کو کہا جاتا تھا۔شاہ نصیر الدین اجمل کو لفظ شاہ کی وجہ سے درویش قرار دیتے ہیں۔ذٹلیت سے ذومعنی الفاظ کے ساتھ عریانی وفحاشی کے عناصر بھی مراد لیتے ہیں۔لفظ غلام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اوائل اسلام میں غلام کا لفظ صرف اللہ کے نام سے پہلے لگاتے تھے،انبیا اور حضرت علی کے نام سے غلام لکھنے کا رواج ہندوستان میں شروع ہوا۔فقیر محمد راضی کے ضمن میں بیاض سے مراد لمبی کتاب لی ہے۔رائے اور راجہ کے معنی میں فرق نہیں۔البتہ رائے کو نام کے شروع میں،راجہ کو آخر میں لکھنے کا ذکر کرتے ہیں۔

اُردو اور ہندی کے اشتراک واختلاف کا ذکر تاریخ کے دیباچے میں کیا گیا ہے۔گارساں اُردو اور ہندی کو ایک زبان سمجھتے ہیں۔مغرب میں ہندوی،ہندی،دکنی اور اُردو کو ہندوستانی کہا جاتا ہے اور ہندوستان میں ہندی اُردو کے صرفی ونحوی عناصر ایک جیسے مانے جاتے ہیں۔رسم الخط کا فرق ہے،دیوناگری رسم الخط ہندی کے لیے اور فارسی رسم الخط اُردو کے لیے مستعمل ہے۔

اُردو سے ہندوؤں کی مخالفت کا سبب بھی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے عہد میں ہندو سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے تھے اس لیے ان کے اقتدار کے خاتمے پر ردعمل میں اُردو پر حملے کیے گیے اور وہ ملکی زبان ہندی کو قرار دینے لگے۔اس کا جواب گارساں یہ دیتے ہیں کہ اُردو کا ادبی سرمایہ،ہندی کے ادبی سرمایے سے وسیع ہے اور دوسرا ہر گاؤں اور ہر فرقے کی ہندی ایک دوسرے سے الگ ہے۔گارساں اردو،ہندی اختلاف کونسل و مذہب کا اختلاف قرار دیتے ہیں۔یہ فرق توحید وشرک،انجیل وویدکا اختلاف ہے۔اس کے علاوہ دیوناگری کو خوب صورت ناگری نہیں مانتے بلکہ ہاتھ سے لکھی ہوئی

پراگندہ ناگری اور خط شکستہ سے بھی مشکل مانتے ہیں۔ گارساں انگریز حکومت کے رومن حروف تہجی کو رواج دے کر اختلافی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کو ادبی نقطۂ نظر سے افسوس ناک قرار دیتے ہیں۔

انھوں نے لغت کے اُصول بھی وضع کیے ہیں۔ لالہ ٹیک چند بہار کی فارسی لغت بھارِ عجم کے ضمن میں یہ بات واضح کی ہے کہ لغات میں ترکی، عربی اور دوسری زبانوں کے وہ الفاظ جو فارسی میں مستعمل ہیں، کو لغت میں شامل کیا گیا ہے کے علاوہ اصطلاحات، طرزِ نگارش کے نمونے اور تشبیہات کو بھی لغت کا حصہ بنایا گیا ہے۔ مولوی واحد الدین بلگرامی کی لغت نفائس اللغات کے تجزیے سے کچھ اُصول وضع کیے ہیں۔ مثلاً قدیم لغات کی طرز پر اُردو کی لغت میں تشریحات فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ عربی، فارسی اور ترکی کے مترادفات بھی دیئے گئے ہیں۔ شعرا کے کلام سے اسناد بھی دی گئی ہیں۔

اُنھوں نے مقامی زبانوں کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ دوسری مقامی زبانوں کو تہذیبی سلسلے کی کڑیاں سمجھتے ہیں اور حال اور مستقبل کو ملانے میں مددگار خیال کرتے ہیں۔ ہندوستانی زبان کی خدمات کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوستانی زبان نے ہندوستان میں مذہبی اصلاح کی خدمت انجام دی ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے اپنے عقائد کا پرچار ہندوستانی کے ذریعے کیا ہے۔ کتابوں کے علاوہ دعائیہ نظمیں اور گیت بھی لکھے گئے۔ ہندوستانی ادب میں مقامی رنگ نے دلکشی پیدا کی ہے۔ عوام کی زندگی، ملکی حالات اور قدرتی مناظر کی تصویر کشی نے اس رنگ میں نیا روپ ڈال دیا ہے۔

انھوں نے ہندوستانی شاعری کا مقصد مذہبی فروغ اور فلسفیانہ خیالات کو قبول عام قرار دیا ہے۔ مصحفی کے تعارف کے ضمن میں اُردو شاعری کی خصوصیات سادگی، پاکیزگی اور اسلوب کی جدت بتاتے ہیں۔ البتہ دیباچے میں دواوین میں خیالات اور اندازِ بیان کی تکرار اور خیال و بیان کی ندرت کے فقدان کا شکوہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے ہجو نگاری پر بھی لکھا ہے۔ ہجو نگاروں کے موضوعات میں عجیب فطری مظاہر کے ساتھ ساتھ خانگی معاملات، خاص ماحول و حالات کو شمار کیا ہے۔ ہجو کی خرابیوں میں موضوعاتی یکسانیت، فحاشی اور عریاں نگاری قرار دی ہیں۔ مشرقی رومانی قصوں میں شجاعت کا عنصر، کے غالب رجحان کی بات کی ہے۔ گارساں ٦٣ (تریسٹھ) اصناف کے تعارف کے بعد ان کے مغرب پر اثرات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے خیال میں مشرقی منظوم کہانیوں اور تاریخی قصوں سے مغربی رزمیہ نے اثر قبول کیا ہے۔ ہندوستان میں ڈراما نگاری کی خصوصیات بھی واضح کی ہیں۔ کامیڈی، اطالوی کامیڈی کے مماثل ہیں۔ مصنف خود بھی کردار ہوتے ہیں، غیر سنجیدہ مکالموں کے ساتھ ظرافت بھی ہوتی ہیں۔ صنائع لفظی، لفظوں کی الٹ پھیر، ذو معنی الفاظ سے ظرافت پیدا کی جاتی ہے۔ کامیڈی فی البدیہہ ہے، سیاسی تلمیحات بھی پائی جاتی ہے۔ ان کے کرداروں کے ذریعے انگریزی رسم و رواج خاص طور پر سول سروس کے ہندوستانیوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔

گارساں دتاسی کی مذکورہ تصنیف تذکرے اور تاریخ کا امتزاج ہے۔ اس کی ترتیب بہ مطابق حروف تہجی کا طریقہ، تذکروں کی روایت سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا طویل مقدمہ، مآخذ سے متعلق معلومات، مصنفین کے حالات زندگی کا تاریخ وار بیان، شخصیت نگاری، نگارشات کی اشاعت وار تفصیل، شاعری کے ساتھ ساتھ نثر کا بیان اسے ادبی تاریخ کے

قریب کرتا ہے۔اس کے علاوہ معروضی نقطہ نظر ،لسانی مباحث ،رسم الخط ،ادبی اصناف ،صحافتی تاریخ اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کا بین السطور بیان اسے تذکروں کی روایت سے الگ شناخت عطا کرتا ہے۔ مذکورہ انفرادی خصوصیات ، دراصل اردو کی ادبی تاریخ نویسی کی بنیادیں ہیں۔تحقیقی اور تنقیدی حوالے سے دیکھا جائے تو سنین کے تعین ،سیرت کی پیش کش ،نگارشات کے تعارف ،ایک سے زیادہ نسخوں کا تعارف ،نسخوں کی حالت ،مآخذ کی نشان دہی ،تصانیف کی خوبیوں اور خامیوں کا بیان اور تقابلی مطالعے وغیرہ اردو کی ادبی تاریخ نویسی میں تحقیقی اور تنقیدی معیار بندی کے لیے پیرامیٹرز ضرور فراہم کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مولوی عبدالحق، مقدمہ: خطبات گارساں دتاسی (اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۵ء)، ص 'ہ'

۲۔ محی الدین قادری زور، گارساں دتاسی اور اس کے ہم عصر بہی خواہان اردو (حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، طبع ثانی، ۱۹۴۱ء)، ص ۸۱

۳۔ گارساں دتاسی، تاریخ ادبیات اُردو (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، ۲۰۱۵ء)، مترجم: لیلیان سیکستن نازرو، ص ۳۸۴

۴۔ ایضاً، ص ۲۴۵

۵۔ ایضاً، ص ۴۱۸

۶۔ ایضاً، ص ۲۴۴

۷۔ ایضاً، ص ۵۲۵

۸۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، گارساں دتاسی اور اس کے ہم عصر بہی خواہان اردو، ص ۱۷

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۸۴

۱۱۔ فرمان فتح پوری، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء)، ص ۳۰۵۔۳۰۶

۱۲۔ ثریا حسین، گارسیں دتاسی: اردو خدمات، علمی کارنامے (لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء)، ص ۸۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹